مولانا محمد الیاس

سیرت مولانا محمد الیاسؒ

رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبد الصمد صارم

ایم ثناء اللہ خان اینڈ سنز ۲۶ ریلوے روڈ لاہور

مولانا محمد الیاسؒ

سلسلۂ سیرت و سوانح
بچوں کے لئے

حضرت خدیجہؓ	۱۲/
عائشہ صدیقہؓ	۱۲/
فاطمۃ الزہراؓ	۱۲/
زینب بنت فاطمہؓ	۱۲/
امام حسنؓ	۱۲/
امام زین العابدینؒ	۱۲/
مولانا رومؒ	۱۲/
فریدالدین عطارؒ	۱۲/
حافظ شیرازیؒ	۱۲/
حیات سعدیؒ	۱۲/
شاہ ولی اللہؒ	۱۲/
محمد عبدہ	۱۲/
جمال عبدالناصر	۱۲/

مولانا عبدالصمد صارم

مولانا محمد الیاسؒ

ایم ثناء اللہ خاں اینڈ سنز ۲۴ ریلوے روڈ لاہور

ⓒ ۱۹۶۱ء

قیمت ۷۵ نئے پیسے

بار اول ۱۹۶۱ء

کتابت :۔ خالد محمود

طابع منصور پریس لاہور

ناشر۔ ایم ثناء اللہ خاں اینڈ سنز

لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائی حالات

آپ کی ولادت ۱۳۰۳ھ میں ہوئی۔ اختر الیاس تاریخی نام قرار پایا۔ بچپن کا کچھ حصہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں گزرا، جو آپ کا ننھیال تھا اور کچھ حصہ نظام الدین اولیاء میں، اپنے والد صاحب کے پاس گزرا، ان کے خاندان کی عورتیں تک نماز روزہ، ذکر و تلاوت وغیرہ کی بڑی شوقین تھیں عموماً نوافل میں کلام پاک ختم کرتیں، ان عورتوں کو نماز میں اس قدر استغراق ہوتا کہ بسا اوقات گھر کے بعض حادثات کا انہیں علم تک نہ ہوتا، یہ عورتیں بڑی لذت سے تلاوت و عبادت کرتیں۔

قرآن شریف مع ترجمہ و تفسیر پڑھتیں، پورے خاندان میں اس کا التزام تھا، گھر کے باہر اور اندر مجلسیں گرم رہتیں، اپنے بچوں کو قصے بھی سناتیں تو بزرگوں کے، یہ قصے عموماً حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے خاندان سے متعلق ہوتے تھے۔

آپ کی نانی امتہ الرحمان جو امی بی کے نام سے مشہور تھیں، بڑی عابدہ زاہدہ تھیں، اگر کوئی کھانا سامنے رکھ دیتا تو کھا لیتیں، ورنہ پرواہ نہ کرتیں۔

آپ کی والدہ بی صفیہ حافظِ قرآن تھیں، ہر رمضان میں چالیس قرآن پڑھتیں اس کے ساتھ ساتھ گھر کے کام کاج میں کوئی فرق نہ آتا، تلاوت کے وقت بھی ہاتھوں سے کچھ نہ کچھ کام کرتی رہتی تھیں۔ اس سے علاوہ بڑی تعداد میں درود شریف اور دعائیں وغیرہ بھی روزانہ پڑھتی تھیں۔

آپ ذرا ہوشیار ہوئے تو مکتب میں داخل کر دیئے گئے۔ خاندانی دستور کے مطابق پہلے آپ نے قرآن حفظ کیا، اس زمانے میں بھی آپ کے ہم عمروں نے آپ میں بہت سی عجیب و غریب باتیں دیکھیں ابھی آپ مکتب ہی میں پڑھتے تھے، کہ ایک دن اپنے ساتھی ریاض الاسلام سے کہا آؤ بے نمازیوں کے خلاف جہاد کرنے چلیں،

۱۳۱۵ھ میں آپ اپنے منجھلے بھائی محمد یحییٰ کے ساتھ گنگوہ شریف چلے آئے اور ان سے پڑھنے لگے۔ اس وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی زندہ تھے، ان کی مجلس میں بہت سے نیک عالموں کا مجمع تھا۔ اس کا آپ پر بہت اثر ہوا، دس گیارہ سال کی عمر میں یہاں آئے اور مولانا کی وفات تک یعنی بیس سال کی عمر تک یہاں رہے۔

آپ حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے بیعت ہوئے، ان سے

بڑی محبت کرتے تھے، بعض اوقات راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر صرف چہرہ دیکھنے کے لئے جاتے، مولانا بھی ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔

ابتدائے عمر سے دبلے پتلے اور کمزور تھے، گنگوہ کے قیام میں آپ کی صحت اور زیادہ خراب ہو گئی، آپ کو دورے پڑنے لگے تو حکیم مسعود صاحب نے علاج شروع کیا اور پانی بند کر دیا، چنانچہ آپ نے سات سال تک پانی نہیں پیا۔

اس بیماری کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا جس کا آپ کو شدید غم رہا، مگر پھر آپ کے شدید اصرار پر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت مل گئی۔

جب ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا انتقال ہوا۔ تو آپ سرہانے بیٹھے ہوئے سورۂ یٰسین پڑھ رہے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دو غم زبردست ہوئے، ایک والد صاحب مولانا محمد اسماعیل کے انتقال کا اور دوسرے مولانا رشید احمد کے انتقال کا۔

۱۳۲۶ھ میں آپ دیوبند تشریف لے گئے، وہاں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے ترمذی اور بخاری سُنی بعد ازاں اپنے بھائی محمد یحییٰ سے پھر دورۂ حدیث کیا۔

مولانا رشید احمد کے بعد آپ نے حضرت مولانا خلیل الرحمان صاحب محدث سہارن پوری سے رجوع کیا، ان کی نگرانی میں منازلِ سلوک طے کیے، اس

زمانے میں عموماً خاموش بیٹھے رہتے اور اکثر وقت مراقبہ میں گزارتے۔

آپ نے مولانا گنگوہی کے دیگر خلفاء اور مشائخ سے بھی استفادہ کیا، مولانا اشرف علی تھانوی اور شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری سے بھی کسبِ فیض کیا اور حضرت شیخ الہند کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی۔

ابتداء ہی سے تمام بزرگوں اور مشایخِ وقت کی نگاہوں میں ان کی بڑی وقعت تھی، ان کا خشوع وخضوع اور تقویٰ مشہور تھا۔ بعض اوقات مشایخ کی موجودگی میں آپ نے امامت کے فرائض بھی انجام دیئے۔

خدمتِ تدریس ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم کے بہت سے استاد حج کے لئے چلے گئے تو ان کی جگہ نئے مدرسین مقرر کیے گئے، آپ کا تقرر بھی اسی زمانے میں ہوا۔ مگر آپ اس کے بعد بھی مدرسہ سے متعلق رہے اور ایسی ایسی کتابیں نہایت خوش اسلوبی سے پڑھائیں جنہیں آپ نے کبھی کسی استاد سے نہ پڑھا تھا۔

نکاح ۱۳۳۰ھ میں آپ کا نکاح اپنے ماموں مولوی رؤف الحسن کی صاحبزادی سے ہوا، اس نکاح میں بڑے بڑے اکابر مثلاً مولانا اشرف علی تھانوی مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری شریک تھے۔ اسی مجلس میں مولانا اشرف علی نے اپنا مشہور وعظ فوائد الصحبت کہا۔

حج ۱۳۳۳ھ میں مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا محمود الحسن صاحب نے

حج کا ارادہ کیا تو آپ بہت بے قرار ہوئے۔

آپ کی یہ بے قراری دیکھ کر ہمشیرہ نے کہا کہ میرا زیور لے لو اور چلے جاؤ آپ نے والدہ، بھائی اور مولانا خلیل احمد صاحب سے اجازت طلب کی سب نے اجازت دے دی اور آپ روانہ ہو گئے۔ حج سے واپسی کے بعد بدستور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔

حج سے واپس آئے دو سال گزرے تھے کہ آپ کے بھائی مولوی محمد یحییٰ صاحب جو آپ کے استاذ و مربی بھی تھے وفات پا گئے۔ اس کا آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ جب کبھی مرحوم بھائی کا ذکر آ جاتا تو عجیب محویت سی طاری ہو جاتی اور بڑی دلچسپی سے ان کے اوصاف کا ذکر کرتے۔

اس کے دو سال بعد آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب کا انتقال ہو گیا وہ بڑے فرشتہ سیرت انسان تھے، آپ اپنے والد ماجد کی جائے قیام یعنی نظام الدین اولیاء کی بنگلہ والی مسجد میں رہتے تھے، یہاں ایک مدرسہ تھا جو ابتدائی تعلیم دیتا تھا اور جہاں میوات کے بچے پڑھتے تھے۔

آپ ان کی تیمارداری کے لئے دہلی تشریف لے آئے، جب ان کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ یہیں رہیں آپ نے حضرت سہارنپوری کی اجازت سے مدرسہ مظاہر العلوم سے استعفاء دے دیا اور اسی مدرسہ میں چلے آئے یہاں اس زمانے میں کچھ آبادی نہ تھی، طالب علم بھی چند ایک تھے۔ مدرسہ کی بھی کوئی معقول

آمدنی نہ تھی، آپ نے یہاں بڑی تنگ دستی کی زندگی گزاری۔ بعض اوقات فاقہ تک کی نوبت آجاتی تھی، اکثر گولر وغیرہ کھا کر پیٹ بھر لیتے، طالب علم بھی ایسے ہی متوکل تھے، وہ خود جنگل سے لکڑیاں لاتے، روٹی پکاتے اور چٹنی سے خوشی خوشی کھا کر بسر کرتے۔ اور باوجود آپ کے فرمانے کے کہیں نہ جاتے۔

عبادت

اس زمانے میں آپ نے بڑے بڑے مجاہدات کئے اکثر خلوت و ریاضت میں رہتے، حدیث کا درس دیتے تو پہلے وضو کرتے پھر دو دو رکعت نماز پڑھتے اور فرماتے حدیث کا حق تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہے، حدیث پڑھاتے وقت کسی سے بات نہ کرتے، کوئی معزز آدمی آجاتا تب بھی درسِ حدیث کو موقوف نہ کرتے، بعض ایام میں آپ نے اسّی اسّی طلبہ کو خود پڑھایا۔

میوات میں تبلیغ

دہلی کا جنوبی علاقہ جہاں میو قوم رہتی ہے میوات کہلاتا ہے یہ لوگ دراصل راجپوت تھے جو مسلمان ہونے کے بعد میو کہلائے، ان کی اخلاقی و دینی حالت اس قدر خراب ہو چکی تھی کہ وہ صرف برائے نام مسلمان تھے۔ ہولی، دیوالی، دسہرہ مناتے اور شادی کی تاریخ پنڈت سے مقرر کراتے ان کے ناموں کے ساتھ عموماً سنگھ کا لفظ ہوتا وہ کلمہ سے بھی واقف نہ تھے، ہندوانہ لباس پہنتے، ان کے دیہات میں شاذ و نادر ہی مسجدیں ہوتیں، ان کی عبادت گاہیں بھی الگ ہوتیں، ان کی عبادت گاہیں بھی الگ ہوتیں اور دیوی دیوتاؤں کے ناموں پر ہوتیں، جہاں وہ قربانی کرتے، لڑکیوں کو ترکہ نہ دیتے، حج کے لئے کبھی

نہ جاتے، نشہ آور چیزیں عموماً استعمال کرتے، لوٹ مار اور چوری ان کا پیشہ تھا۔

میوات سے اصل تعلق مولانا محمد اسماعیل کی زندگی میں شروع ہو چکا تھا، مولانا اسماعیل صاحب اور مولانا محمد صاحب نے ان کی اصلاح کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ ان میں دینی تعلیم پھیلائی جائے، وہ ان کے بچوں کو دینی تعلیم دیتے تاکہ ان ذریعہ سے قوم میں دینی بیداری پیدا ہو۔

مولانا محمد الیاس صاحب نے ایک قدم اور بڑھایا، انہوں نے خود ان کے ہاں مکاتب و مدارس کا قیام ضروری سمجھا تاکہ دین کا حلقہ وسیع ہو مگر میواتی اس پر کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے کہ بچوں کو کام سے ہٹا کر تعلیم پر لگائیں۔ بالآخر مولانا کی جد و جہد سے ایک مکتب قایم ہو گیا، اس کے بعد دس مکتب قایم کئے گئے، یہاں تک کہ کئی سو مدرسے قایم ہو گئے۔ ان مدرسوں کے اخراجات وہ خود برداشت کرتے تھے، ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کے ذاتی صرف کے لئے کچھ رقم پیش کی تو آپ نے مدرسوں پر صرف کر دی۔

مدارس کے قیام کے تجربے سے آپ نے دیکھا کہ خاطر خواہ اصلاح ہوتی نظر نہیں آتی کیونکہ بچوں کی صحیح اسلامی تربیت نہیں ہوتی، لہذا آپ نے عام تبلیغ و اصلاح کے لئے کمر باندھی، بہت سے علماء بھی ادھر تبلیغ و اصلاح کے لیے آئے حضرت مولانا خلیل احمد جان بھی تشریف لائے اور سیکڑوں میو آپ سے بیعت ہو گئے۔

۱۳۴۴ھ میں آپ نے مولانا خلیل الرحمان کے ساتھ دوبارہ حج کا ارادہ کیا اور پانچ ماہ حرمین میں قیام کرنے بعد کاندھلہ واپس تشریف لائے۔

حج سے واپسی کے بعد آپ نے تبلیغی گشت شروع کردیا اور دوسروں کو بھی تبلیغ کرنے کی دعوت دی، ایک بار نوح میں اجتماع ہوا اور وہاں سے تبلیغی گروہ بنائے گئے اور کئی سال تک تبلیغی دورے ہوتے رہے۔

۱۳۵۱ھ میں آپ تیسری بار حج کے لئے تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ بھی گئے۔ اس حج کے بعد آپ اپنے کام میں اور مستقل مزاج ہوگئے، واپسی پر میوات کے دو بڑے دورے کئے اور چاروں طرف چھوٹی چھوٹی جماعتیں تبلیغ کے لئے بھیجیں۔ یہ دونوں دورے ایک ایک ماہ جاری رہے۔

آپ نے دیکھا کہ مدارس کے قیام اور تبلیغ دوروں سے بھی حسب منشار تبلیغ دین کا کام نہیں ہوسکتا لہذا آپ نے یہ تجویز کیا کہ خود میواتی تبلیغ کے لئے نکلیں اور بزرگوں سے ملیں اور اپنا سبق دوسروں کے سامنے دھرائیں۔ تاکہ اس طرح ان میں پختگی پیدا ہوسکے مگر سوال یہ تھا کہ آیا ان غریب میواتیوں کے ساتھ لوگ بھائیوں جیسا سلوک کریں گے یا ان کی مذاق اڑائیں گے۔ لہذا آپ نے یہ تجویز کیا کہ چونکہ مظفر نگر وسہارن پور میں مذہبیت کا زور ہے، لہذا ان لوگوں کو پہلے اس علاقے میں بھیجا جائے۔ پھر آپ نے اس علاقے میں بھی اپنے وطن کاندھلہ کو منتخب کیا کہ بہرحال عزیزوں سے واسطہ پڑے گا۔ کچھ تو لحاظ

کریں گے، اس لئے آپ نے پہلی جماعت کاندھلہ بھیجی۔

جاہل میواتیوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا کہ اپنے مرشد کے وطن میں سب سے پہلی بار تبلیغ کے لئے جائیں لہٰذا لوگوں نے اس معاملہ میں دلچسپی نہ لی مگر مولانا کی مستقل مزاجی نے انہیں مجبور کر دیا اور دس آدمیوں کا ایک وفد کاندھلہ تبلیغ کے لئے روانہ ہوا۔ کاندھلہ کے باشندوں نے ان لوگوں کا بڑا احترام کیا۔

اس کے بعد دوسری جماعت رائے پور کی طرف روانہ کی گئی۔ وہاں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری جانشین حضرت شاہ عبدالرحیم کی وجہ سے کوئی بیگانگی محسوس نہ ہوئی اور اس جماعت کی وہاں بھی خوب آؤ بھگت کی گئی

بعدازاں آپ نے میوات کی تحصیلوں کے نقشے اور پورے ضلع گوڑگاؤں کا نقشہ تیار کرایا، وہاں کی آبادی اور نمبرداروں کا پتہ کیا اور دیہات کے باہمی فاصلوں کو معلوم کیا اور پھر باقاعدہ جماعتیں بھیجیں۔

چھوٹا تحصیل فیروزپور میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ جس میں سولہ جماعتیں بنیں، ہر جماعت پر ایک امیر بنا اور سارے میواتی علاقے پر ان کے دورے کا انتظام کیا گیا، یہ ساری جماعتیں فریدہ آباد میں جمع ہوئیں، مولانا بھی تشریف لائے اور ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ یہ سولہ جماعتیں چار جماعتوں میں تقسیم ہوئیں اور جامع مسجد دہلی میں آئیں، وہاں سے پانی پت، سونی پت اور دوسرے علاقوں کی طرف گئیں۔

اب مولانا ہر جگہ یہی تبلیغ کرتے تھے کہ میواتی تبلیغی کام کریں، آہستہ آہستہ لوگ اس کام سے مانوس ہو گئے اور دلچسپی لینے لگے، میوات کے اندر اور باہر جانے کے لئے جماعتیں کثرت سے بننے لگیں اور یو۔پی وغیرہ کے دورے کے لئے روانہ ہونے لگیں۔

مولانا کے خلوص کی بدولت اب میواتیوں میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ دین کی خاطر ہر نقصان اور خطرہ برداشت کر سکتے تھے اور بڑے شوق سے کھیتی باڑی چھوڑ کر تبلیغِ دین کے لئے جاتے تھے۔ مگر انہوں نے دیکھ لیا کہ ان کے کاروبار کو، بجائے نقصان کے اور فروغ ہوا اور ان کی غیب سے امداد ہوئی۔

یہ تبلیغی رضاکار پیٹھ پر اپنا سامان دھرے، خوراک باندھے، باندھے گاؤں گاؤں پھرتے تھے، ان کے اس طرح پھرنے سے چند ہی دنوں میں تمام میوات میں ایک عام بیداری پیدا ہو گئی، اس درجہ کہ اگر کوئی بڑی سلطنت بھی سیکڑوں مبلغین بھیجتی اور ہزاروں روپیہ صرف کرتی تو اتنا کام ہرگز نہ ہو سکتا۔

اب میوات کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ عام لوگ متقی پرہیزگار بن گئے، جگہ جگہ مسجدیں بن گئیں، مدرسے قائم ہو گئے، ہندوانہ مراسم اور وضع قطع چھوٹ گئی، لوگوں نے داڑھیاں چھوڑ دیں، ہاتھوں سے کڑے اور مرکیاں اتر گئیں، سود خوری، شراب خوری، چوری، فسق و فجور اور لوٹ مار ختم ہو گئے اور ساری برائیاں خود بخود بند ہونے لگیں۔

دہلی کے مبلغین

دہلی اور دیگر علاقوں میں تبلیغ کے لئے آپ نے پانچ تنخواہ دار مبلغ رکھے تھے، ان لوگوں نے ڈھائی سال کے قریب تبلیغ کی مگر جو بات رضاکاروں کی تبلیغ سے پیدا ہوئی ان لوگوں کی تبلیغ سے پیدا نہ ہو سکی۔ لہٰذا مولانا اس سلسلہ سے خوش نہ تھے۔ اور اسے بند کر دینا چاہیئے تھے۔

آخری حج

۱۳۵۶ھ میں آپ نے حج کا ارادہ کیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میں چاہتا ہوں کہ اس تبلیغی کام کو اس کے اصل مرکز کی طرف لوٹا دوں آپ نے جہاز میں بھی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، مکہ معظمہ اور منیٰ میں آپ نے تبلیغی تقریریں کیں، مگر یہ مسائلِ حج پر مشتمل تھیں۔

بحرین کے حجاج سے ملے اور انہیں تبلیغ کی دعوت دی، انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم تبلیغ کو جاری رکھیں گے، پھر آپ ہندوستانی تاجروں سے ملے اور تبلیغ کی اسکیم تیار کرنے لگے، ان لوگوں نے کہا کہ پہلے سلطان سے اجازت لے لی جائے۔ چنانچہ ایک وفد سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا، سلطان نے بڑا احترام کیا۔

مکہ معظمہ کے دورانِ قیام میں تبلیغی جماعتیں ادھر ادھر جاتی رہیں اور جلسے بھی منعقد کرتیں، آپ کی تاکید تھی کہ عمرہ اور دوسری عبادات سے زیادہ اہتمام تبلیغ کا کریں۔

پھر آپ مدینہ شریف روانہ ہوئے اور وہاں بھی تبلیغ کو جاری رکھا، قبا بھی تشریف لے گئے، وہاں بھی تقریر کی اور احد کی پہاڑ کی طرف بھی گئے بدوؤں

سے گفتگو کی اور بچوں سے کلمہ سنا۔

اس سفر سے اس قدر اندازہ ضرور ہو گیا کہ ہندوستان کی نسبت سے عرب میں تبلیغ کی زیادہ ضرورت ہے، پندرہ دن رہ کر آپ یہاں سے واپس چلے آئے۔

عام شہروں میں تبلیغ

حج سے واپسی کے بعد آپ نے تبلیغی تحریک کو اور زیادہ تیز کر دیا، اب میواتی جماعتیں شہر بہ شہر پھرنے لگیں اور خاص دہلی شہر میں بھی محلہ محلہ جماعتیں بنائی جانے لگیں۔

میواتیوں نے دہلی میں خوب تبلیغ کی، شروع شروع تو انہیں بڑی دقت کا سامنا ہوا، لوگوں نے انہیں مسجدوں میں ٹھہرنے نہ دیا، برا بھلا کہا اور بڑی سرد مہری کا برتاؤ کیا، مگر رفتہ رفتہ فضا ہموار ہوتی چلی گئی اور جوش و خلوص و قربانی کی وجہ سے میواتی اچھی نظروں سے دیکھے جانے لگے۔

آپ نے دیکھا کہ اس سلسلہ میں علماء کا تعاون حاصل کرنا ضروری ہے لہذا آپ نے علمی مرکزوں کی طرف تبلیغی جماعتیں بھیجنا شروع کیں تاکہ علماء درس و تدریس کے ساتھ ساتھ وعظ و ارشاد کا کام بھی کریں اور طالب علم تحصیل علم کے ساتھ ساتھ گاؤں گاؤں تبلیغ دین کی مشق بھی حاصل کریں

خانقاہوں میں بھی آپ نے تبلیغ کے لئے میواتیوں کو بھیجا، تھانہ بھون اور دیوبند بھی چند جماعتیں گئیں۔ یہ لوگ دیہات میں تبلیغ کرتے اور بزرگوں کی صحبت سے فیض بھی حاصل کرتے۔

شروع شروع بعض بزرگوں نے اس تحریک کو شبہ کی نظر سے دیکھا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ جب پڑھے لکھے مستند علمار کی تبلیغ سے اختلافی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو یہ جاہل میواتی تو نہ معلوم کیا کریں گے۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی اس کے سخت مخالف تھے۔ مگر جب تھانہ بھون کے دیہات میں ان لوگوں نے نہایت خوبی سے کام کیا تو آپ مطمئن ہو گئے اور ان کے کام سے بہت خوش ہوئے۔

چونکہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے علمار آن سے خاص طور پر مانوس تھے۔ لہذا آپ نے میواتیوں کے ساتھ سہارن پور اور مظفر نگر کے مختلف اطراف میں تبلیغ کی اور اس کام کو بہت زیادہ پھیلایا۔

اپنے وطن کاندھلہ اور اس کے اطراف میں آپ نے خصوصیت سے تبلیغ کے لئے میواتی بھیجے اور حکم دیا کہ جب ایک جماعت چلی جائے تو فوراً دوسری جماعت آجائے۔ ۱۹۶۲ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

باہر سے آمد

اس خاموشی سے کام کرنے کا یہ اثر ہوا کہ ندوۃ العلمار لکھنؤ کے چند اساتذہ اس کام سے بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے میوات میں تبلیغ کے لئے اپنی خدمات پیش کیں مولانا نے ان کی آؤ بھگت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باہر سے تبلیغی وفود آنے لگے۔

دہلی میں تنظیم

اب آپ نے دہلی کے کام کی تنظیم کی طرف توجہ دی اور حافظ مقبول حسن کو دہلی کی تمام جماعتوں کا امیر بنایا یہ لوگ

مہینہ کے آخری چہار شنبہ میں جامع مسجد دہلی میں جمع ہوتے اور اپنے کام کی رپورٹ پیش کرتے، مولانا خود بھی ان جلسوں میں شریک ہوتے۔ اور شبِ جمعہ میں انھیں نظام الدین آنے کی دعوت دیتے، رات کا کھانا سب لوگ اکٹھے کھاتے، عشاء کی نماز سے پہلے تقریر فرماتے اور ایک عجیب عالم استغراق میں ڈوب جاتے، نئی دہلی کے اکثر معززین، جدید تعلیم یافتہ اور جامعہ ملیہ کے اساتذہ بھی شرکت کرنے لگے، اور ڈاکٹر ذاکر حسین بھی تشریف لانے لگے۔

پھر کیا تھا چاروں طرف ایک آگ سی لگ گئی اور تمام اطراف ہند سے جوق در جوق لوگ آنے لگے، دہلی کے تاجروں نے خصوصیت سے اس کی طرف توجہ کی مولانا ان کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے لیکن تبلیغی کاموں میں سستی پر عتاب بھی کرتے اور کبھی مشفقانہ نصائح سے درگزر نہ فرماتے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی کے سوداگروں میں دینداری بہت زیادہ بڑھ گئی دین کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور حالات بدلتے نظر آنے لگے، جو بے نمازی تھے، نمازی بن گئے، جو داڑھی سے کراہیت کرتے تھے، داڑھی والے ہو گئے اور جو لوگ تبلیغ کو تجارت میں نقصان کا سبب سمجھتے تھے وہ عین کاروباری حالت میں دین کی تبلیغ کے لئے نکلنے لگے اور دکان دکان پھرنے لگے۔

مولانا کا اصول

اہل دولت نے مولانا کی یہ سرگرمیاں دیکھ کر بھاری رقمیں پیش کرنا شروع کیں لیکن مولانا کا یہ اصول تھا کہ وہ پیسہ

نہیں وقت مانگتے تھے، لہذا اس قسم کے ہدیئے قبول نہیں کرتے تھے۔آپ فرماتے، مجھے تمہارا روپیہ نہیں چاہیئے، وقت چاہیئے، مال نہیں جان چاہیئے۔ البتہ آپ صرف ان لوگوں کی رقموں کو قبول فرماتے۔ جو عملی طور پر بھی تبلیغ میں شریک ہوتے تھے اور مولانا کو ان کے خلوص و صداقت کا یقین ہوتا تھا۔

میوات کے جلسے

مہینے میں ایک مرتبہ میوات کے کسی مقام پر اور سال مدرسہ نوح کے مقام پر جلسہ ہوتا تھا اس جلسے کے لئے مولانا دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم، ندوۃ العلماء وغیرہ کے مدرسین، طلباء، تجار اور رفقاء کے ساتھ روانہ ہوتے راستے بھر ان لوگوں کو تبلیغ کرتے چلے جاتے، قصبہ کے لوگ آپ کے استقبال کے لئے دوڑتے، مولانا ان سے بڑی محبت سے پیش آتے۔

ان جلسوں میں آپ اکثر غریب میوانیوں کے ساتھ رہتے اور انہیں تبلیغ کرتے رہتے۔ بہت کم خاموش رہتے حتیٰ کہ آواز گلوگیر ہو جاتی، ہر طرف روحانیت و نورانیت برستی، مسجد میں جگہ نہ ملتی تو لوگ سڑکوں پر پڑے رہتے، بارش ہوتی تو درختوں کے نیچے نہایت آرام و سکون سے بیٹھے رہتے۔

اس جلسے میں وعظ و تقریر کی خوبی کامیابی کا معیار نہ تھی۔ بلکہ مولانا یہ دیکھتے تھے کہ کتنے لوگوں نے تبلیغ کے لئے وقت دیا اور کتنی نئی جماعتیں باہر تبلیغ کے جانے کے لئے تیار ہوئیں۔

جب تک انہیں اس طرف سے اطمینان نہ ہوتا، کھانا پینا بھی گوارا نہ ہوتا۔ مگر جب یہ دیکھ لیتے کہ انتظامات درست ہو گئے ہیں تو پھر کسی بھی چیز کی پرواہ نہ کرتے۔

اس دوران میں بکثرت میواتی بیعت ہوتے، اہل قصبہ بڑی دریا دلی سے لوگوں کی دعوت کرتے، اور انہیں کئی کئی وقت مہمان رکھتے اور پھر بھی حسرت کا اظہار کرتے کہ ہم کچھ بھی مہمان نوازی نہ کر سکے اور بہت عجز و انکساری و خلوص کے ساتھ مہمانوں کے ساتھ پیش آتے۔

نوح کا بڑا جلسہ

۱۳۶۰ھ نوح میں ایک بڑا جلسہ ہوا۔ اس جلسے میں شرکت کرنے والے کوئی ۲۵ ہزار انسان تھے۔ جن میں سے بہت سے افراد تیس چالیس میل سے پیدل چل کر آئے تھے اور سامان سفر سر پر رکھ کر لائے تھے، اس عظیم الشان جلسے کے انتظامات باوجود مجلس استقبالیہ، انتظامیہ کمیٹی اور صدر و رضا کاروں کی عدم موجودگی کے بھی اتنا اچھا رہا کہ سب کو حیرت ہوئی۔

مفتی کفایت اللہ صاحب نے فرمایا، میں سیکڑوں جلسوں میں شریک ہوا۔ مگر میں نے ایسی برکت کسی بھی جلسے میں نہیں دیکھی، یہ جلسہ گاہ ایک اچھی خاصی خانقاہ تھی، جہاں ذکر کرنے والے شب بیداروں کی کثرت تھی۔

کراچی کو جماعت

مبلغین کی ایک جماعت اپنے صرفہ پر کراچی گئی پھر

ایک اور جماعت سندھ کی طرف گئی اور وہاں انہوں نے تبلیغی جماعتیں قائم کیں، مولانا چاہتے تھے کہ بندرگاہوں پر تبلیغی زور ہو تاکہ عرب کے آنے جانے اس چرچے کو دیکھیں اور اپنے ملک میں تبلیغ کریں۔

سفر لکھنؤ چونکہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اساتذہ اور طلباء خصوصیت سے آپ کی دعوت سے بے حد دلچسپی لیتے تھے اور لکھنؤ کے اطراف میں تبلیغ کرتے تھے، لہذا مولانا کو ان لوگوں نے دعوت دی اور مولانا نے ان کی دعوت کو قبول کیا، ۱۳۶۲ھ میں آپ لکھنؤ تشریف لے گئے، تیس چالیس آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے ندوۃ العلماء میں قیام کیا، عصر کی نماز کے بعد جماعت تبلیغ کے لئے کسی محلے کا رخ کرتی اور بعد نمازِ مغرب تبلیغ کرتی، نماز عشاء کے بعد اپنے اصول کی تشریح کرتی اور واپس آکر قیام گاہ پر کھانا کھاتی، صبح کی نماز کے بعد کچھ وقت پروگرام بنانے، کچھ تجوید و تعلیم اور سیرتِ اصحاب کے سننے میں گزارتے، کچھ وقت تبلیغ کا طریقہ سیکھنے میں صرف کرتے، کھانا کھانے کے بعد آرام کرتے اور عصر کے بعد سے پھر پروگرام شروع کر دیتے، ظہر کی نماز کے بعد بھی تبلیغ و ارشاد کا کام ہوتا۔

یہاں سے آپ نے کان پور کے لئے ایک گروہ بغرض تبلیغ بھیجا اور خود رائے بریلی تشریف لے گئے پھر لکھنؤ تشریف لائے اور کان پور کا رخ کیا، کان پور میں دو روز قیام کر کے دہلی تشریف لے آئے۔

آخری لمحات

مولانا کی صحت ہمیشہ خراب رہی، مسلسل کاوش، بے آرامی اور ریاضت و مجاہدات کی وجہ سے اس میں اضافہ ہی ہوتا گیا، کمزوری بڑھتی گئی، آنتوں کی شکایت بچپن سے تھی ۱۳۶۳ھ میں آپ کو ایسی پیچش ہوئی کہ کسی طرح آرام نہ ہو سکا۔ اس حالت میں بھی انہوں نے مصروفیات میں کمی نہ کی، اطبار بولنے کو منع کرتے تھے اور آپ اس سے کسی صورت نہ رکتے تھے۔ کیونکہ تبلیغ کرتے کرتے مرجانے کو وہ زندگی پر ترجیح دیتے تھے، تبلیغی جلسوں کی تاکید کرتے اور ان کی روئداد بڑے شوق سے سنتے، ناشتہ اور عشائیہ کے بعد عموماً بولتے اور اس قدر بولتے کہ ضعف طاری ہو جاتا۔

آپ چاہتے تھے کہ کسی طرح علمار اس تحریک کو اپنا لیں اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ کام کریں اور عوام سے قریب ہوں۔ ادھر عوام کو تاکید کرتے تھے کہ وہ علمار کی قدر و منزلت کو پہچانیں، ان کے عیوب کی پردہ پوشی کریں اور ان کے ساتھ نہایت ادب و احترام سے پیش آئیں۔

سیاسی اختلافات کی بنار پر عوام اور تجار علمار سے کچھ بدظن ہو گئے تھے اور انہیں بری نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔ مگر مولانا کی کوشش سے ان اختلافات کو لوگ گوارا کرتے ہوئے علمار سے قریب ہونے لگے۔ مرضِ وفات میں ان کی یہ بڑی کوشش تھی کہ عوام علمار سے اور علمار عوام سے زیادہ سے زیادہ قریب ہوں، اور اس سلسلہ میں انہیں کافی حد تک کامیابی ہوئی۔

اہل سنت وجماعت کے علماء میں باہمی اختلاف کی وجہ سے آپس میں کچھ اس درجہ نفرت پیدا ہوگئی تھی کہ ایک دوسرے سے ربط وضبط رکھنا نہ چاہیئے تھے، ہر جماعت اپنے مسلک کے اثبات کے درپے تھی اور مناظروں کو تفہیم وتفہم کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے، مولانا نے دیکھا کہ مناظروں سے بجائے اصلاح کے نفرت اور ضد پیدا ہوتی ہے، لہٰذا آپ علماء کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے لئے خاص اصول وہدایات تعلیم فرماتے تھے جن کا اچھا اثر ہوتا تھا۔ اگر کسی دوسری جماعت کا کوئی عالم آتا تو آپ اُس کی بہت زیادہ خاطر ومدارت کرتے اور ایسا سلوک کرتے کہ اُسے بالکل اجنبیت محسوس نہ ہوتی۔

۱۹۴۴ء میں ضعف بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ جماعت کے لئے دو آدمیوں کے سہارے تشریف لے جاتے مگر پھر بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھتے۔ بار بار فرماتے کہ میں جاں بر نہیں ہو سکتا۔ ان دنوں بھی آپ نے دو تقریریں کیں۔

ان دنوں اگر کوئی جماعت تبلیغ کے بعد باہر سے واپس آتی تو آپ بہت خوش ہوتے اور صحت میں اضافہ ہو جاتا، آپ نے مدارس کے علماء اور مہتمم حضرات کا ایک اجتماع کرایا جس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوئے اور ان سے تعاون کی اپیل کی۔

ایک جماعت تبلیغ کے لئے سندھ روانہ کی گئی جو لاہور ہوتی ہوئی سندھ پہونچی، انہی دنوں ایک جماعت پشاور سے واپس آئی۔ اور ایک جماعت

پشاور روانہ کی گئی۔

کچھ عزیز و اقارب کاندھلہ سے عیادت کے لئے آئے۔ فرمایا کیوں آئے ہو؟ کہا عیادت کے لئے آئے ہیں، فرمایا، جو مٹنے کے لئے بنا ہے اُس کی خیریت پوچھنے کے لئے کاندھلہ سے آئے ہو اور رسول کریمؐ کا دین عزیز جو مٹنے والا نہیں مٹا جا رہا ہے اور تم اُس کی خبر نہیں لیتے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب ایک مشہور ڈاکٹر کو لائے آپ نے ان سے فرمایا، ڈاکٹر صاحب! آپ کے پاس ایک فن ہے، جس کو ماند کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چند ظاہری معجزے دے کر بھیجا گیا تھا اور یہ تو آپ جان سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کو جو روحانی علوم دیئے گئے تھے وہ ان ظاہر معجزوں سے بدرجہا اعلیٰ اور افضل تھے تو مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ ہمارے خاتم الانبیاء کے ذریعہ جو روحانی علوم و احکام بھیجے گئے وہ وہ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے روحانی علوم اور ان کی لائی ہوئی شریعت کو بھی غیر چلن دار کر دیا تو ذرا سوچئے کہ حضور کی ان روحانی چیزوں کی طرف توجہ نہ کرنا کتنی بڑی چیز کی ناقدری ہے، لوگوں سے ہم بس یہی کہتے ہیں کہ وہ اس نعمت سے فائدہ اٹھائیں ورنہ گھاٹے میں رہیں گے۔

بعد ازاں آپ اس قدر کمزور ہو گئے کہ چارپائی صف کے ساتھ لگا دی جاتی اور آپ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتے۔

جون ۴۴ء میں نوح کے مدرسہ معین الاسلام کا سالانہ جلسہ تھا، یہ پہلا جلسہ تھا جس میں مولانا شریک نہ ہو سکے، نوح سے جماعت واپس آئی تو آپ نے بڑے اشتیاق سے جلسہ کی روئیداد سنی۔

چودھری نواز خاں سے فرمایا بھائی تم یہیں پڑے رہو، بیس دن کا حساب کتاب ہے ادھر یا ادھر ہو جائے۔ چنانچہ بیسویں دن آپ کا انتقال ہو گیا۔

دوست احباب اور دہلی کے تاجر خدمت کے لیۓ آتے تو فرماتے بھائی دین کی خدمت کرو، میری ذات کی خدمت کیوں کرتے ہو، اگر آپ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ فلاں شخص صرف آپ کی ذات سے دل چسپی رکھتا ہے تو آپ ہرگز اس کی خدمت کو گوارا نہ کرتے۔

ایک مرتبہ ایک میواتی سر پر تیل کی مالش کر رہا تھا آپ کی نظر پڑی تو پہچان لیا، فرمایا تم نے کبھی تبلیغ میں حصہ نہیں لیا، میں تم سے مالش نہیں کرا سکتا۔

جس قدر وقت قریب آتا جاتا تھا۔ کام کا اشتیاق اور سرگرمی بڑھتی جاتی تھی، بستر مرگ پر پڑے ہوئے بھی تمام کاموں کی نگرانی کرتے، بار بار لوگوں کو بلا کر ہدایات دیتے۔

ان دنوں چند باتوں کا پیشتر سے زیادہ خصوصی اہتمام رہا، اول سب سے زیادہ علم و ذکر کی تاکید فرماتے، فرمایا کرتے تھے کہ یہ تحریک بغیر علم و ذکر کے

نہیں چل سکتی، علم بغیر ذکر کے ظلمت ہے اور ذکر بغیر علم کے فتنہ ہے۔

دوسرے پست اور جاہل مسلمانوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ اور ان کی تعلیم و تبلیغ کی حرص، اسی زمانے میں بڑے اہتمام سے مسجد سے متصل سڑک کنارے ایک بیٹھک بنوائی کہ راہ گیروں کو مبلغین تبلیغ کریں، یہاں راہ گیروں کے لئے حقے اور پانی کا اہتمام کرایا تاکہ راہ چلتے سایہ اور حقہ پانی دیکھ کر آئیں اور دین کی تبلیغ سے مستفید ہوں، بعض اوقات شتربانوں اور گاڑی بانوں میں لوگوں کو تبلیغ کے لئے بھیجتے۔

تیسرے زکوٰۃ دینے اور اس کے آداب سے واقفیت کی تعلیم، اس طرف مولانا نے کبھی خصوصی توجہ نہیں کی تھی، مگر آخری لمحات میں اس کی طرف بہت توجہ دی، تاجروں کا مجمع رہتا تھا، آپ نے بار بار فرمایا کہ انسان کو عبادت کی طرح زکوٰۃ کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے۔ اور ہمیشہ ادا کرتے رہنا چاہیے۔ مستحقین کی تلاش خود کرنی چاہیے، اور لینے والے کو اس طرح دے کہ اس کا ممنون ہو۔

چوتھے ڈاک کا اہتمام، بڑی تاکید تھی کہ جماعتوں کی روئیداد پورے مجمع کو سنائی جائے، اور ان سے مشورہ لیا جائے، ڈاک پیش ہونے سے پہلے ایک مختصر تقریر فرماتے کہ یہ ڈاک آپ کے غور و فکر کے لئے پیش کی جارہی ہے تاکہ آپ جس طرح اپنے دماغ کو دنیوی امور کے غور و فکر پر لگاتے ہیں، دینی امور میں بھی صرف کریں، مشورے کے بعد جو طے پاتی، اس سے تبلیغی جماعتوں کو مطلع کیا جاتا،

جس سے کام میں بڑی سہولت پیدا ہوتی۔

مولانا ظفر احمد صاحب چونکہ دہلی آئے ہوئے تھے اس لئے آپ لوگوں کو سخت تاکید کرتے کہ شہر میں ان کی آمد سے فائدہ اٹھائیں اور محلہ محلہ جلسے کرائیں۔

دو سو تین سو آدمی روزانہ آتے اور وہیں کھانا کھاتے بڑی چہل پہل رہتی مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری بھی تشریف لے آئے۔ اور ان کی وجہ سے رونق اور دوبالا ہو گئی۔

شہر کے آدمی ٹیلیفون اور آنے جانے والوں کے ذریعہ آپ کی حالت کی خبر رکھتے تھے، معلوم نہیں کس نے غلط خبر اڑا دی ہر چند ٹیلیفون پر تردید کی گئی مگر پھر بھی مجمع کافی جمع ہو گیا۔ مولانا منظور احمد نے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ پر ایک برمحل تقریر کی۔

وفات سے دو تین روز پیشتر بارش ہونے سے ہوا میں خنکی ہو گئی اور مولانا کو نمونیہ ہو گیا، ضعف اور بیماری سے کئی بار غشی ہوتی جب ہوش آتا تو لوگوں کو ذکر و تبلیغ کی تلقین فرماتے اور تبلیغی جماعتوں کے حالات دریافت کرتے اور ہدایات دیتے۔ کہ فلاں جگہ فلاں جماعت بھیجی جائے۔

آخری ایام میں ایک ڈاکٹر نے کہا ان کے سارے اعضاء ماؤف ہو چکے ہیں۔ صرف قلبی طاقت کے بل بوتے پر بولتے ہیں، جس کا دارومدار آپ کی روحانیت پر ہے

ورنہ جسمانی طاقتیں ختم ہو چکی ہیں۔

ایک دن آپ نے چند حضرات کے نام لئے کہ مجھے ان پر اطمینان کامل ہے جو لوگ مجھ سے بیعت کرنا چاہتے ہیں ان حضرات کے ہاتھ پر بیعت کرادیں لوگوں نے مشورہ کرکے ان لوگوں میں سے مولوی یوسف صاحب کو منتخب کیا آپ نے فرمایا۔ اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ برکت دے مجھے منظور ہے۔

۱۳ر جولائی ۱۹۴۴ء جمعرات کے دن فرمایا، میرے کپڑوں کو دیکھ لو نجاست تو نہیں لگی۔ پھر چارپائی سے اتر کر وضو کر کے نماز پڑھنے کی خواہش کی رات کے بارہ بجے سخت گھبراہٹ ہوئی اور صبح ہوتے ہی وفات پا گئے

مولانا کا عمامہ، مولوی یوسف صاحب کے سر پہ باندھا گیا اور تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا، مجمع بڑھتا گیا اور معتقدین کی آمد میں اضافہ ہی ہوتا گیا، اور مسجد کی جنوبی جانب باپ اور بھائی کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔

پسماندگان مولانا نے صرف ایک فرزند مولانا محمد یوسف صاحب اور ایک صاحبزادی اہلیہ مولانا زکریا صاحب چھوڑیں، مولانا زکریا صاحب آپ کے بھتیجے، داماد اور شاگرد ہیں۔

انتقال سے پہلے فرمایا لوگ آدمی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور میں اپنے پیچھے ایک پورا ملک (میوات) چھوڑے جاتا ہوں۔

حلیہ آپ پست قد، گندمی رنگ، دبلے جسم اور گھنی داڑھی والے تھے چہرے

پرنور اور پیشانی پر عالی ہمتی برستی تھی، زبان میں قدرے لکنت تھی اور آواز پر جوش اور طاقت ور تھی، آخر عمر میں کچھ بال سپید ہو گئے تھے۔ جو قریب سے نظر آ سکتے تھے۔

سستی آپ میں بالکل نہ تھی ہر وقت نہایت چاق و چوبند رہتے تھے ریاضت کے آثار چہرے سے ظاہر ہوتے تھے۔

اوصاف آپ میں قوتِ ایمان و احتساب بہت زیادہ تھی اور اس کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے، فرماتے ہیں۔

باطن مذہب ایمان و احتساب ہے بہت سے اعمال میں مصرحاً ذکر کیا جاتا ہے، ایماناً و احتساباً لہٰذا ہر عمل کے بارے میں جو خطابات وارد ہوئے ہیں۔ ان میں وصیان کرنا اور اس کے ذریعہ حق حقانی کی عظمت، اس کی بڑائی اور اس کے قرب کا یقین بڑھانا اور ان اعمال پر جو دینی و دنیوی وصالح اور انعامات و عطیات کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ ان کو بطور عطا کے نہ بطور معاوضہ کے یقین کرنا یہ باطن ہے۔

اعمال اپنی ذات سے کوئی قیمت نہیں رکھتے۔ ان کے اندر جو قیمت آتی ہے وہ اللہ کے امتثال کے ذریعہ اس ذاتِ عالی کی وابستگی سے آتی ہے تو جس قدر وجہ وابستگی پر قابو ہو گا اور وہ ملکہ قومی ہو گا اور جتنا بھی عمل زیادہ طمانیت اور دل سے اور قوت سے ہو گا ان اعمال کی اصلی قدر و قیمت اسی قدر ہو گی۔

جناب حالی نے جذبہ اور ولولہ نہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ مجھے اس پر بڑا ہی

رشک ہے، مومن کے لئے اللہ کے امتثالِ امر کی اصلیت یہ ہے کہ حکم کے یقین اور اس کی عظمت سے اتنا دباؤ ہو اکہ وہ ولولہ کو دبا دے، ولولہ طبیعت سے پیدا ہوتا ہے، ولولہ اگر ہو تو یہ حسب طبعی ہوئی اور جب تعمیلِ حکم کی عظمت سے اور فرضیت کے احساس سے ہو تو یہ حُبِ عقلی اور حبِ ایمانی ہے۔

بسا اوقات تھوڑے سے کئے ہوئے کو دیکھ کر اس پر خوش ہو جانا باقیوں کی کوتاہیوں سے حجاب ہو جاتا ہے اور اپنے اس مغالطہ سے بچنے کی بہت زیادہ فکر رکھیں، کرنے والوں کو دیکھ کر ان کی خوشی کا صرف اتنا ہی اثر لیں کہ خطرتاً اپنی غلطی سے اثرات مرتب ہونے کو جو ہم اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ وہ نہ ہونی چاہئے، اصل کامیابی کوشش میں لگ جانا ہے، نہ کہ ثمرات کا مرتب ہونا، چنانچہ دینی امور کا اصل ثمرہ اجر و ثواب ہے۔ وہ محض کام میں مشغول ہونے سے تعلق رکھتا ہے، دنیاوی اثرات سے اس کو کیا علاقہ، بہرحال اگر اثرات مرتب ہو رہے ہیں تو ان سے صرف اتنا ہی اثر لیں کہ ہم غلطی سے جن اثرات کو دنیا میں ڈھونڈتے ہیں وہ بھی ہو رہے ہیں، اثرات مرتب ہونے پر بھی کوشش ہونی چاہیئے، اثرات مرتب ہونے پر بھی کوشش میں کمی کرنا بڑی غلطی ہے، بس اتنا محسوس کرکے اپنی اصلی توجہ کو صرف کوتاہی اور نقصان کے محسوس کرنے میں متوجہ کریں۔

عبادات و اذکار کے بارے میں جو نصوص وارد ہوئے ہیں، ان نصوص کو دیکھتے رہنا اور ان کے پڑھنے پر جو وعدے فرمائے گئے ہیں، ان کا یقین کرنا اور

اس کی کوشش کرتے ہوئے ان سب اوراد کو نباہنا چاہیئے، بڑی چیز ان عددوں پر یقین کی کوشش ہے، یہ یقین چونکہ قلب سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا ان عبادات کے قلب کا درجہ رکھتا ہے۔ اور روحانیت کی امید اسی سے وابستہ ہوتی ہے۔

ہر وقت کے لئے ان کے اپنے وقتوں کی عظمت اور حرمت میں آئی ہوئی تعریفیں اور فضیلتیں معلوم کر کے ان کا اعتقاد کرتے ہوئے کرنا یہی ان کا طریقہ ہے، ہر ایک کی فضیلتیں حدیثوں میں الگ الگ وارد ہیں اور ہر ایک کے الگ الگ برکات ہیں اور انوار ہیں۔ ہم جیسے عامی لوگوں کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ ہر وقت کی نماز ادا کرنے کے وقت یہ مانگ لے کہ ہر وقت کے جو برکات اور انوار ہیں ان کا اللہ تعالیٰ ہمیں حصہ نصیب کرے۔

جی لگنے اور مزہ آنے کا دھیان نہ کریں، بلکہ اللہ اور رسول کے حکم سمجھتے ہوئے کرتے رہیں اور ان کی اقتدا کو عظیم سمجھیں فرمان کی تعمیل اور امر کی اقتدار بہت بڑی چیز ہے۔

عبادت اس طرح کرتے گویا خدا کے سامنے حاضر ہیں بلکہ بسا اوقات عام حالات میں بھی اس طرح ذکر کرتے کہ ایسا محسوس ہوتا کہ آپ عرش بریں کے نیچے کھڑے ہوئے اللہ کے حضور میں ذکر کر رہے ہیں۔

قیامت اور آخرت کی تصویر ان کی آنکھوں کے سامنے رہتی تھی۔ ایک دفعہ ایک میواتی سے پوچھا دہلی کیوں آئے ہو؟ اس نے عرض کی دہلی دیکھنے کے لئے،

اُسے مولانا کے انداز سے اندازہ ہوگیا کہ غلطی کی ہے بولا جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے پھر کہنے لگا آپ کی زیارت کے لئے، آپ نے فرمایا دہلی اور جامع مسجد کی جنت کے سامنے کیا حقیقت ہے، میں کس قابل ہوں جس کی زیارت کے لئے تم آئے میں تو گل سڑ جاؤں گا، بعد ازاں جنت کا اس طرح بیان کیا گویا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

انہیں زندگی کی ناپائیداری اور آخرت کے جاوداں ہونے کا اس قدر یقین تھا کہ ان کی روزمرہ کی باتوں اور تحریروں سے یہ بات ٹپکتی تھی۔

آپ نے اپنے آپ کو تبلیغ کے لئے بالکل وقف کر دیا تھا کہ غیر متعلقہ چیزوں سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں رکھا، فرمایا کرتے تھے میں کسی دوسری چیز کے ساتھ کیسے مشغول ہو سکتا ہوں، جبکہ میں بھی یہ کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت سے رسول اللہؐ کی روح کو سخت تکلیف ہے۔

ایک دن ایک خادم نے شکایت کی کہ پہلی سی نظر التفات نہیں، فرمایا میں بہت مشغول ہوں، میں محسوس کرتا ہوں کہ رسول اللہؐ کو تکلیف ہے۔ اس لئے کسی اور طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔

فرماتے تھے میری مثال اس سپاہی کی سی ہے جو چوراہے پر کھڑا ہوا ٹریفک کو کنٹرول کر رہا ہو کہ اس کا اپنی جگہ سے ہٹنا خطرناک ہے، کسی ایسی مجلس میں شرکت کے لئے نہ جاتے، جہاں اپنی دعوت پیش نہ کر سکیں۔

بے مقصد بات کا سننا گوارا نہ کرتے تھے، اگر بے تکلفی ہوتی تو منع کر دیتے ورنہ چہرے سے ظاہر ہوتا کہ طبیعت پر انتہائی جبر کر رہے ہیں البتہ علماء اور نئے آنے والے اس سے مستثنیٰ تھے، ایک دفعہ ایک رفیقِ سفر دوسرے رفیقِ سفر کے ساتھ غیر متعلق گفتگو کرنے لگے فرمایا کہیں اور بیٹھ کر ایسی باتیں کرو۔

اپنے وطن کاندھلہ جاتے یا عزیزوں سے ملتے تب بھی نہایت لطف سے اپنے مطلب کی بات نکال لیتے کہ سننے والوں کو ناگواری نہ ہوتی۔

ایک دفعہ ایک مخلص کے ہاں شادی میں شرکت کا اتفاق ہوا تو وہاں بھی آپ نہیں چوکے، فریقین کو خطاب کر کے فرمایا آج آپ لوگوں کے لئے ایسا خوشی کا دن ہے کہ یہ گوارا نہیں کہ بھنگن بھی آج کے دن ناراض ہو کیا رسول اللہؐ کی رضامندی کا بھی کچھ سامان کیا ہے۔ پھر آپ نے دین کی تبلیغ کو رسول اللہؐ کی خوشی کا سب سے بڑا ذریعہ ثابت کیا اور حاضرین کو اس کی دعوت دی۔

کسی کو خط لکھتے تب بھی تبلیغ دار شادی کا مضمون ہوتا اور اگر کسی خاص ضرورت سے خط لکھنا ہوتا تب بھی پہلے تبلیغ کا ذکر ہوتا اور مطلب کی بات نہایت مختصر اور آخر میں ہوتی۔

تبلیغ کے لئے جانے والوں سے فرماتے بیہودہ باتوں سے بچنا خود بھی بیکار باتوں سے بچتے، جس بات میں دین کا فائدہ نہ دیکھتے، اسے بے کار سمجھتے۔

اپنے وقت کی بہت زیادہ قدر کرتے تھے اور اسے اپنا قیمتی سرمایہ سمجھتے

تھے۔ وقت کو بے کار صرف کرنے سے انہیں بے حد دکھ ہوتا، یہی وجہ ہے کہ وہ اتنا بڑا کام انجام دے گئے۔ ورنہ اگر وقت کی قدر نہ کرتے تو اتنا عظیم الشان کام کیسے انجام دیتے۔

انہیں اپنے کام سے اس قدر دلچسپی تھی کہ وہ تمام لذتوں کو اس کی خاطر چھوڑ چکے تھے، اسی کو وہ عشق سے تعبیر کرتے تھے۔ اپنے ایک دوست کو تحریر فرماتے ہیں۔

میرے محترم یہ تبلیغی کام درحقیقت انسان کی روح کی غذا ہے حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو اس غذا سے بہرہ ور فرمایا اب اس کے عارضی فقدان یا کمی پر بے چینی لازمی شے ہے، آپ اس سے پریشان خاطر نہ ہوں۔

کئی بار ایسا ہوا کہ وہ کسی مفید آدمی سے مل کر اپنی بیماری کو بھول جاتے اور طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی، فرمایا کرتے تھے، مجھے مشغولیت کے سبب بھوک کا احساس بھی نہیں رہا۔ سب کھانے بیٹھ جاتے ہیں تو میں بھی بیٹھ جاتا ہوں، تبلیغی خطوط سے انہیں بے حد فرحت ہوتی، ایک مبلغ کو تحریر فرماتے ہیں۔

تمہارے خطوط کا خیال ہی گویا زندگی اور روح رواں کی جگہ ہے۔ میری یہ بات اگر پوری صحیح نہیں تو پوری غلط بھی نہیں اور میں اپنے عقیدے میں اس خیال کو جان سے زیادہ سمجھنا فرض سمجھتا ہوں، تم میرے دل کی تسلی سمجھ

کر خطوط میں کمی مت کیا کرو۔

ایک کارکن کو لکھتے ہیں۔

جمنا کے کنارے کنارے جو مبلغین کی جماعت آئے گی۔ اس کا مجھے ایسا انتظار ہے۔ جیسے عید کے چاند کا ہوتا ہے۔ بہت اہتمام سے اس جماعت کو لاؤ۔

بعض اوقات اتنے خوش ہوتے تھے کہ ضعف کی وجہ سے اس خوشی کو برداشت نہ کر سکتے تھے، ایک دفعہ ایک جماعت کے کامیاب لوٹنے پر فرمانے لگے میرا خوشی سے سر دکھ گیا۔ مجھ میں اب خوشی کا تحمل نہیں۔

کبھی جماعتوں کی کوتاہی کو سن کر بیمار پڑ جاتے، ایک جماعت شہر میں سیر و تفریح کے لئے نکل گئی تو آپ کو اتنا ملال ہوا کہ بیمار پڑ گئے۔

تحریر فرماتے ہیں۔

اس کے اوپر جان و مال کو قربان اور وقف کر کے اس میں اپنی عمروں کو گنوانے والے پیدا کرنے چاہئیں بے پس و پیش اس میں اپنی جان گنوا دینا ضروری ہے۔ ان کوششوں میں انہیں جنت کا مزا آتا، گرم لو سے بھی فرحت محسوس کرتے۔

بے قراری

آپ کا سا درد اور بے قراری شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے، کروٹیں بدلتے اور آہیں بھرتے۔ فرماتے میرے اللہ میں کیا کروں، کچھ ہوتا نہیں۔

بعض اوقات بے قراری میں ٹہلنے لگتے ایک رات بیوی جی نے پوچھا کیا

بات ہے نیند کیوں نہیں آتی، فرمایا اگر تمہیں وہ بات معلوم ہو جائے تو ایک کے بجائے دو جاگنے والے ہو جائیں۔

بعض اوقات اس طرح گفتگو کرتے معلوم ہوتا کہ سینہ میں گرم تنور ہے، دیکھنے والوں کو بھی رحم آتا۔

وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی تمام کوششوں کو بالکل حقیر سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ دین کی تبلیغ کے لیے یہ کام بہت ہی ناکافی ہے، اس خیال سے آپ بے قرار رہتے تھے۔

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

جس قدر حق تعالیٰ نے مجھ پر اس بارے میں حق کا وضوح کیا ہے، اس کے مقابلہ میں اپنی مساعی، اپنے درد اور اپنی آواز کی کچھ نسبت نہیں پاتا، لہذا کرم ہو تو اس کے شایانِ شان ہے اور اگر عدل ہو تو کوئی صورتِ نجات نہیں۔

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

کئی روز ہوئے گرامی نامہ پہونچا چاہیے تھا کہ دل کو بڑی زندگی اور چین ملتے لیکن میرے بزرگ دوست، ایمان سوز، جذبات کش، فتن مظلمہ مدلہمہ کی رفتار ڈاک، گاڑی سے بھی زیادہ تیز ہے اور اس کا مقابل (تبلیغی تحریک) جو ظلمت کو نور سے بدلنے والی ہے، اس کی رفتار چیونٹی سے زیادہ ضعیف ہے، فتنہ کی روانی دیکھ کر یہ مقداریں کچھ پیاس کے بجھانے کے لئے کافی نہیں ہیں۔

میوات کی جماعتیں اور قافلے باہر نکلتے، لوگ ان کی تعداد اور ہمت دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے، مگر مولانا مضطرب ہی رہتے، آپ ذرا بھی ان میں کمی دیکھتے تو بڑے غمگیں ہو جاتے۔

کبھی کسی دقیق مضمون کو الفاظ میں ادا نہ کر سکتے تو بے چین ہو جاتے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

بندۂ ناچیز اس تبلیغ کے سلسلہ میں ایک تحریر میں ہے اپنے مغز میں بات کرنے کی اہلیت بھی نہیں، عمل تو در کنار، اور عاداتِ خداوندیہ اُمّل ان کی نصرت اور رحمت اسی راستے میں ہے

ایک خط میں یہ مضمون لکھاتے ہوئے کہ دین کو فروغ دینا بلاؤں کو دور کرنا ہے، بے اختیار خط کا مضمون ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔ یہ مضمون لکھاتے ہوئے طبیعت بے چین ہو گئی لہذا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

محنت و مشقت دین کی تبلیغ میں محنت و مشقت کی ضرورت پڑتی ہے اس سلسلہ میں مولانا زکریا کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

میں بہت ہی دل و ایمان سے متمنی ہوں کہ بہت ہی اہتمام کے ساتھ ہمت کو لگا کر یہ دعا کریں کہ میری یہ تحریک سراسر عمل ہو۔ اقوال کی کثرت اس کے عمل کو مکدر نہ کرے بلکہ قول اور تقریر بقدرِ ضرورت اور اعانت کے درجہ میں رہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ دین کے فروغ کے لئے جان کی بازی لگا دینا ہماری تحریک کا مقصود ہے، آپ نے تبلیغ کے سلسلہ میں ایسی محنت و مشقت کی کہ ایک قوی تندرست آدمی بھی نہیں کر سکتا، ۲۴، ۲۵ میل چل لیتے تھے اور کھانا پینا آرام کرنا بھول جاتے تھے۔

کبھی کھانا موجود ہوتے ہوئے بھی ایک ایک دو دو دن تک کھانا کھانے کی فرصت نہیں ہوتی تھی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ جمعہ کی رات میں نظام الدین سے کھانا کھا کر روانہ ہوتے اور اتوار کو نظام الدین آکر کھانا کھاتے۔

پہاڑیوں پر چڑھتے، تیز دھوپ اور گرم لُو برداشت کرتے، مئی جون کی گرمی میں میوات کا دورہ کرتے، سخت سردی میں شہروں شہروں اور گاؤں گاؤں پھرتے اور فرماتے محنت کے پہاڑ کے پیچھے خدا ہے۔ جس کا جی چاہے مل لے۔

بعض اوقات ایسی حالت میں میوات کا سفر کیا کہ زندگی کی امید کم اور موت کا یقین زیادہ تھا مگر وہ اپنے جہاد کو برابر جاری رکھتے تھے، میوات کی سرزمین کو میدانِ جہاد تصور کرتے تھے، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

اس قدر ضعف ہے کہ خلافِ طبع الجھی ہوئی بات سے اختلاج اور خفقان ہوتا ہے۔ اور آرام کے ساتھ موٹر سے دہلی تک کے سفر سے بخار سا آتا ہے۔ اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ایک مہینے کی مسافت کے لئے میوات کی سخت ترین بادِ سموم اور نہایت جہال کی باتوں کے الجھاؤ کا نشانہ بن کر موت کے لئے اپنی جان کو

پیش کرنے کی نیت سے اس سفر کو کارزار کا میدان تصور کرتے ہوئے مصمم ارادہ سفر ہے۔ گویا یہ سفر جہاد ہے اور اپنی مجربہ کم ہمتی سے نہایت خوف ہے کہ کسی جگہ یہ نفس شریر کرب و شدائد کے مقابلہ سے فرار کرکے نامرادی سے واپس ہوگا دعا کرو کہ جان کے جانے تک تحمل حق تعالیٰ شانہ، شدائد و کرب کا نصیب کریں وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ اور یا کام کو پورا کرکے سلامتی کے ساتھ بغنیمت عود نصیب فرمائیں اپنے اس سفر کو اہم فریضہ اور صحت کی رعایت کو سنگین ترین معصیت سمجھ کر اپنی زندگی سے مایوس ہو کر سفر کر رہا ہوں۔

کلتاج پور تبلیغ کے لئے گئے چند ایسے علماء ساتھ تھے جو تکالیف برداشت نہیں کر سکتے تھے، پہاڑ کی چڑھائی تھی تانگہ الٹ گیا، لوگوں کے چوٹ آئی اور کپڑے گرد آلود ہو گئے۔ آپ نے فرمایا دوستو! ساری عمر میں آج ایک دن تمہیں جو حرا، کی سی چڑھائی پیش آئی بتاؤ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی بار پیش آئی تھی۔ ہمیں اپنی اس محرومی اور کوتاہی پر شرمندہ ہونا چاہیئے۔

کسی چیز کا ارادہ کر لیتے تو پھر کسی بھی زحمت کا خیال نہ کرتے۔ مایوس ہونا ہی نہ جانتے تھے، جس بات کا خیال آجاتا فوراً ارادہ کر لیتے۔ ذرا خیال آیا کہ نوح کے لوگوں سے فلاں بات کہنی ہے فوراً چل کھڑے ہوئے۔ رات کے چار بجے پیدل نظام الدین پہنچے۔ حاجی نسیم کے ہاں سے کار لی اور صبح ہوتے نوح پہنچ گئے۔ اور فجر کی نماز پڑھتے ہی واپس آگئے۔ کبھی میوات کے سفر پر گھٹنوں گھٹنوں پانی

میں چل کھڑے ہوئے لوگوں نے سواری کے لئے کہا مگر آپ نے انکار کر دیا۔

ان تمام باتوں کے باوجود دوستوں کے آرام کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ ان کی راحت کی تدبیریں سوچتے اور خواہ مخواہ انہیں تکلف میں نہ ڈالتے دوستوں کے سامان راحت کے لئے بڑی جد وجہد کرتے۔

ایک دفعہ اپنے چند رفیقوں سے فرمایا میوات کے سفر پر جا رہے ہو محنت و مشقت کی تلاش کرنا اور میواتیوں سے فرمایا۔ ان کے آرام کا بہت زیادہ خیال رکھنا پھر جانے والوں سے فرمایا اگر آپ کے حصے میں صرف راحت ہی آئی تو آپ ہارے

اس کے باوجود اگر راحت مل جاتی تو اسے رد نہ کرتے اور اللہ کا شکر ادا کر کے قبول فرما لیتے مگر مزید کی تلاش نہ کرتے۔ ویسے طبیعت بلا وجہ مشکل پسند واقع نہ ہوئی تھی

میواتی مبلغین کو نصیحت فرماتے کہ اپنی سادگی اور جفاکشی کو نہ چھوڑنا اور شہریوں کی راحت پسندی کو اختیار نہ کرنا، سادہ کھانا کھانا، زمین پر سونا، اور مشقت برداشت کرنے کے عادی رہنا، آپ اس سے بہت زیادہ ڈرتے تھے کہ کہیں میواتی شہری اثرات سے متاثر نہ ہو جائیں۔

فرمایا کرتے تھے، محنت انسان کی فطرت ہے مگر موجودہ دور میں انسان رات دن دنیا کے لئے بے انتہا جد وجہد کرتا ہے۔ جو ناپائیدار ہے اور دین کے لئے کچھ بھی کوشش نہیں کرتا جو پائیدار اور باقی ہے۔

ایک مبلغ کی بیماری کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ایسے زمانے ہیں کہ روٹیوں کے لئے جانیں جارہی ہوں دین کی کوشش میں آجانا کچھ بڑی بات نہیں۔

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

دنیاوی معیشت کے اندر کے اسباب کی کوشش اور سعی کو جب تک دین کے درست کرنے والی چیزوں میں کوششوں اور سعی سے مغلوب نہیں کیا جائیگا اس وقت تک غیرتِ خداوندی دین کی دولت سے مالامال نہیں کرسکتی۔

ایک دوسرے مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

عاداتِ خداوندی عموماً دین میں اپنی جد وجہد کی مقدار کے ساتھ وابستہ ہیں آدمی کسی مقصد کے لئے جتنا اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے۔ اور تکالیف کے جھیلنے کے ذریعہ اپنے حالات، جوارح، قلب اور قوتوں کی شکستگی اور تعب و انکسار کو پہونچتا ہے۔ اتنا ہی حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا سبب ہوتا ہے۔

جو بھی رفیق معمولی سی تکلیف برداشت کرتا اس پر بہت ممنون ہوتے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے جس سے پست ہمت لوگوں کے بھی حوصلے بلند ہوجاتے۔

مذہبی حمیت

آپ کے دل میں مذہبی حمیت بہت زیادہ تھی، ان کی ساری تحریک، عمل اور بے قراری کا سبب یہی مذہبی حمیت تھی وہ دین کو گرتے ہوئے اور کفر کو ابھرتے ہوئے نہ دیکھ سکتے تھے۔ مگر

انتہائی ضبط سے کام لیتے۔ کبھی کبھار پیمانۂ صبر لبریز ہو جاتا تو دوستوں کو احساس ہوتا کہ آپ میں کس درجہ دینی حمیت ہے۔

آپ کو سرکاری یونیورسٹیوں کے مشرقی امتحانات سے بے حد نفرت تھی فرمایا کرتے تھے کہ ان امتحانات سے نسبت بدل جاتی ہے۔ للّٰہیت کی جگہ مادیت لے لیتی ہے، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

حافظ صاحب! مجھے بڑی غیرت آتی ہے کہ مسلمانوں کی عربیت کے جانچ کرنے والے کفار ہوں۔

کسی شرعی حکم کی توہین مولانا کو ہرگز برداشت نہ ہوتی تھی اور کوئی بھی مصلحت ان کے انکار و مذمت سے مانع نہ ہوتی۔

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

زیادہ زور اس امر پر دیا جائے کہ قوم اپنی پنچائتیں اور اپنے سب کاروبار اور سب فیصلے شریعت کے موافق کرنے ہی کو اسلام سمجھے ورنہ اسلام نہایت ناقص ہے۔ بلکہ بسا اوقات احکامِ شرعیہ کی بے وقعتی اور بے رخی اور توہین کی بدولت اسلام جاتا رہتا ہے اور یقیناً کفر ہو جاتا ہے۔ اسی میں سے باہمی نکاح کا استنکاف ہے، جس کو پہلے تو سنا ہے کہ حرام اور کفر سمجھتے تھے۔ اب زبان سے تو حلال اور جائز کہتے ہیں مگر معاملہ وہی ہے۔ چنانچہ موضع آنادر تحصیل نوح کے ایک مرد و عورت نے باہمی راضی رضا ہو کر اس خیال سے کہ اگر یہاں

نکاح ہو گیا تو قوم سخت ستائے گی۔ ملک سے نکل کر نکاح کر لیا اور ضلع گوڑگاؤں میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ مگر افسوس کہ جاہل قوم نے دولہا کو (جس کا نکاح رمضان المبارک کے اخیر جمعہ کو ہوا تھا) عید کے تیسرے دن جمعہ کے روز قتل کر کے ہاتھ پیر توڑ کر مٹی کے تیل سے جلا کر راکھ کو کسی دریا میں بہادیا۔ یہ مضمون بہت زور سے بیان کرنے کے قابل ہے کہ کفر و شرک کو زنا اور کسی اکبر الکبائر کو ایسا معیوب اور قبیح نہ سمجھیں اور اللہ کے حلال کردہ کو اس قدر معیوب سمجھیں آپ ضرور بیان فرمائیں۔ کہ کس طرح ایمان باقی رہا اور کیا سبیل ان کے ایمان کے باقی رہنے کی ہو سکتی ہے۔

اتباع سنّت آپ کو جس قدر اہتمام سنّت کے اتباع کا تھا۔ اتنا کسی چیز کا نہ تھا۔ جس کی مثال آئمہ سلف ہی میں ملتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی سنتوں کی تلاش کرتے، ان پر عمل کرتے اور ان کی اشاعت کرتے بعض خدام کو جو حاضر نہیں تھے۔ جو وصیت کی تھی اس میں سب سے زیادہ اہمیت اتباعِ سنت کی تھی، طبعی امور میں بھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے تھے۔ بچوں کے مرنے جینے پر بھی اسی طرح غم اور خوشی کا اظہار فرماتے جس طرح رسول اللہ نے کیا ہے۔ کسی کی موت کے وقت رنج کے نہ ہونے کو آپ خلافِ سنت و شریعت سمجھتے تھے اور اسے دل کی سختی پر محمول فرماتے تھے۔

بردباری باوجود ذکاوتِ حس کے بے حد بردبار بھی تھے اپنے مفقد کے

خلاف بات سننا گوارا نہ تھی لیکن آپ بہت ضبط سے کام لیتے البتہ آخر میں برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ایک سفر میں ایک مولوی صاحب راستہ بھر بدعنوانیاں کرتے چلے گئے۔ آپ نے بہت ضبط کیا۔ آخر فرمایا تم سمجھتے ہو کہ میرا غصہ اتنا بے قیمت ہے کہ میں تم پر غصہ کر لوں گا۔ میں ہرگز تم پر غصہ نہیں کروں گا۔

رعایتِ حقوق

حقوق مراتب کا بہت خیال رکھتے تھے، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

ایک دوسرے کے ساتھ عزت و حرمت کو ہر چیز سے بہتر سمجھتے رہیں۔ ہزار مسائلِ حقہ کی حمایتوں سے اس ایک حق کی نگہداشت اور اس پر پختہ ہونا افضل و اور موجب رضائے خداوندی ہے۔

تواضع

آپ اہلِ علم کی بے حد توقیر فرماتے اور ان کے اعزاز و اکرام کی تاکید فرماتے، علماء کو ان کے حسبِ مراتب مناسب جگہ پر بٹھاتے، عام فرش کے باوجود کپڑا بچھا دیتے۔ اور کسی نہ کسی قسم کا امتیازی سلوک ضرور فرماتے اور ان کے سامنے اس قدر تواضع فرماتے کہ ناواقف کو پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ مولانا الیاس کون سے ہیں۔

ایک دفعہ ایک صاحب نے چلتے وقت آپ کا جوتا ہاتھ میں لے لیا۔ آپ نے فوراً اس سے جوتا لے لیا اور اس کے ہاتھ چومے۔ آپ اپنے بارے میں امتیازی سلوک گوارا نہ کرتے تھے۔

وسعتِ قلبی عام علمار کی طرح مولانا متعصب نہ تھے وہ ہر فرقہ کے پیرو کار کی عظمت کرتے تھے۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کے ندوۃ العلمار، جامعہ ملیہ اور دیوبند کے اساتذہ نے شانہ بشانہ کام کیا اور ایک دوسرے سے وحشت محسوس نہیں کی۔

اداروں کے علاوہ مشائخ طریقت کے سلسلوں سے بھی مولانا کو برابر کی دل چسپی تھی، اس وسعتِ قلب کا یہ نتیجہ ہوا کہ مولانا نے ہر جماعت کے افراد سے کام لیا اور رفتہ رفتہ ان کی زندگی میں تبدیلی پیدا کر دی، وہ ہر شخص سے ایک ہی جیسا کام نہ لیتے تھے، بلکہ اس کی صلاحیتوں کے مطابق اس سے دین کی نصرت کا کام لیتے۔

استقامت آپ چھوٹی چھوٹی سنتوں پر بھی اس قدر پابندی کرتے تھے کہ لوگ فرائض و واجبات کی بھی اتنی پابندی نہیں کرتے، آخری حصۂ عمر میں بھی آپ نے باجماعت نماز نہیں چھوڑی، وفات سے دو ماہ پہلے سے اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہ رہی تھی۔ لیکن امام کے تکبیر کہتے ہی اس قدر طاقت آجاتی تھی، کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے تھے، جب کھڑے ہونے سے بالکل ہی معذور ہو گئے تو بیٹھ کر باجماعت نماز ادا کرتے رہے۔ جب بیٹھ نہ سکے تو لیٹے لیٹے ہی نماز ادا کرتے رہے۔ وضو اور مسواک اور تمام سنتوں کا سخت اہتمام رہا۔

سفر میں بھی اذان، اقامت اور جماعت کی پابندی رہتی، ریل میں خواہ کتنا

ہی ہجوم ہوتا۔ اذان دیتے اور با جماعت نماز ادا کرتے، ایک دفعہ آپ نے فرمایا میں بیس سال سے اس کام لگا ہوں مگر آج تک میں نے کبھی جماعت سے نماز نہیں چھوڑی۔ حتیٰ کہ ریل میں تراویح بھی نہیں چھوڑیں۔

آخری حج کے زمانے میں دو جہاز کمپنیوں میں مقابلہ ہو گیا تو ایک کمپنی نے ۵۵ روپیہ کرایہ کر دیا۔ اس جہاز کے مسافروں کو ایک عورت ٹیکہ لگا رہی تھی۔ آپ نے کہا میں کسی غیر محرم عورت سے اپنے جسم کو ہاتھ نہیں لگوا سکتا۔ لوگوں نے ہر چند کہا کہ اس موقعہ کو غنیمت جانیئے ورنہ پھر ۱۸۲ روپیہ کرایہ دینا پڑے گا۔ آپ نے کہا کچھ بھی ہو۔ بالآخر ڈاکٹر آیا اور اس نے خود ٹیکہ لگایا، فرمایا میرے جسم کو کسی غیر محرم عورت نے کبھی ہاتھ نہیں لگایا، صرف ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میں ایک عورت کو دیکھنے گیا۔ وہ مر رہی تھی۔ اس نے گھبراہٹ میں میرا ہاتھ چھو لیا۔ تو میں نے ہاتھ کھینچ لیا۔

رجوع الی اللہ

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا آپ کی روحِ رواں تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

ہماری اس تحریک کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ اس میں سب سے زیادہ کام دل کا ہو (یعنی اللہ پاک کے سامنے تضرع اور اس کی نصرت پر کامل اعتماد کے ساتھ اس سے استعانت اور دنیا و مافیہا سے بالکل منقطع ہو کر اس کی طرف انابت) اس کے بعد دوسرے درجے میں جوارح کا کام ہو (یعنی اللہ کی مرضیات

کے فروغ کے لئے دوڑ دھوپ اور محنت و مشقت) اور تیسرے درجے میں زبان کا کام ہو۔

ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا۔

یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے اور کبھی نظر خطا نہ کرے کہ مقصود دین کی ہر چیز کا محض قوتِ دعا کا بڑھانا ہے۔ اس میں ہر قیمت بہت ہی زیادہ سعی کی جائے۔ اگر جوارح کے کام میں مشغول ہونے کے وقت قلب قوت کے ساتھ دعا میں مشغول ہونے کے وقت قلب قوت کے ساتھ دعا میں مشغول رہنے کی برداشت کر سکے۔ تو اس میں بہت کوشش فرمائیں۔ ورنہ اس امر کے لئے مکتوبات اور سحر اور اس امر کے لئے نکلنے کے اطراف اور درمیان کے خالی اوقات کو دعا سے آباد رکھیں۔

بڑی دیر تک اور بڑی بے قراری اور اضطرار کی کیفیت طاری ہو جاتی، پانچوں وقت کی نمازوں کے بعد بڑی پر اثر دعائیں فرماتے۔

اللہ کی طرف رجوع لانے اور بھروسہ کرنے ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ بڑے سے بڑا مشکل کام کر گزرتے تھے، ایک روز اپنے ایک عزیز سے فرمایا۔

اگر تمہیں اصلاح کے سلسلہ میں مکاتب و مدارس ہی پر اعتماد ہے تو میوات میں ایک ہزار مکتبوں کا انتظام بناؤ اور اپنی ذمہ داری پر اس کام کو اٹھاؤ۔ اگر تم اس کے لئے تیار ہو جاؤ تو میں تمہارے جواب دینے سے دو دن

کے بعد ایک ہزار مکتبوں کا ایک سال کا پورا خرچ چھ لاکھ روپیہ نہیں دے دوں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ میں اس پر اپنا وقت اور اپنا فکر بالکل صرف نہیں کروں گا۔ تم ہی کو ذمہ داری سنبھالنی ہوگی۔ میں اسی طرح اپنے کام میں لگا رہوں گا پھر فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ میرے پاس شاید چھ روپیہ بھی نہ نکلیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ جس دن اللہ کے کسی کام کا ارادہ کر لیا جائیگا۔ اس کے بقدر روپیہ تو اللہ تعالیٰ ایک دن میں مہیا کر دے گا۔[1]

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو مولانا الیاس اور ان کی دعوت مصنفہ سید ابوالحسن علی ندوی و مکتوبات مولانا الیاس و ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ اور میری زندگی کے تجربے مصنفہ منظور نعمانی